© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے

سوال: میں ایک عام سی لڑکی ہوں البتہ اللہ سے قرب کی خواہش رکھتی ہوں۔ مجھے گناہ پر ندامت ہوتی ہے لیکن تقویٰ پر عمل کی کوشش کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے گناہ یا خدا کی نافرمانی ہو جاتی ہے' تاہم احساسِ ندامت پر پھر پلٹنے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔ مجھے اطمینان نہیں ہے اور راہِ خدا میں استقامت سے محروم ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اللہ مجھ سے ناراض ہے۔ جو گر کر سنبھل جائے اس سے تو اللہ راضی ہو جاتا ہے لیکن جو بار بار گرے' اس کے لیے نجات کہاں ہے۔ البتہ میں بچنے اور سنبھلنے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔ کوئی ایسا شارٹ کٹ چاہتی ہوں کہ اللہ کے ہاں نجات کی ضمانت مل جائے۔ جہاد بالنفس مشکل امر ہے۔ آخر افغانستان یا کشمیر میں جہاد بالسیف کر کے شہید ہو کر میں رب کی یقینی رضا کیوں حاصل نہیں کر سکتی؟ صرف اس لیے کہ میرا قصور یہ ہے کہ میں ایک لڑکی ہوں۔ میں مایوسی کا شکار ہوتی جا رہی ہوں۔ مجھے کوئی ایسا آسان راستہ' طریقہ اور عمل بتائیے کہ میں اپنے رب کا قرب حاصل کر لوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں تصوف یا رہبانیت کی راہ پر نہ چل نکلوں۔ میری رہنمائی کیجیے۔

جواب: آپ اگر یہاں سے سوچنا شروع کریں کہ اللہ سے قریب ہونے کا وہ راستہ کیا ہے جو خود اللہ نے بتایا ہے تو اُمید ہے کہ آپ کی اُلجھنیں دُور ہو سکیں گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینان بخش دے گا۔ اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ آپ سے کیا چاہتا ہے: اس سے قریب ہونے کی خواہش (اور ارادہ)' اور اس مقصد کے لیے بحد استطاعت و اختیار کوشش (اور عمل)۔ اس آرزو اور جستجو' خواہش اور کوشش کی نذر جو زندگی ہو جائے' وہی اس کے نزدیک مقبول ہے' وہی اس کو مطلوب ہے۔

کیا کوشش اور عمل مطلوب ہے؟

اول' جب اس کا قرب مطلوب ہے تو ہر کام اسی کے لیے کرنا' اس کی رضا پر نگاہ جما کے رکھنا' اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادے اور اختیار سے کسی اور محبوب کو مقصود نہ بنانا۔ ارادے کے بغیر، اختیار سے باہر، وسوسوں کی وجہ سے آمیزش ہو جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اگرچہ احساسِ ندامت ہونا چاہیے۔ ارادے اور اختیار سے ہو جائے تو بھی استغفار سے ہر داغ دھل جاتا ہے۔ بس ندامت و خطاکاری کے آنسو ہوں، رحمت و مغفرت کی طمع ہو، پکڑ کا خوف ہو، آیندہ نہ کرنے کا شعوری عزم ہو۔ خواہ سو مرتبہ ہو، ہر مرتبہ اس کی آغوش رحمت کھلی ہو گی۔

دوسرے، جو اس نے کرنے کو کہا ہے وہ حسب استطاعت کرنے میں لگے رہنا، یعنی اطاعت اور عمل۔

تیسرے، جو نہ کرنا چاہیے وہ کر بیٹھو، جو کرنا چاہیے وہ نہ کرو، یعنی گناہ و خطا ہو جائے تو نادم و شرم سار ہو کر اسی کے در پر آکر ہاتھ پھیلا دینا، اور رو رو کے گڑگڑا کر معافی مانگنا، یعنی توبہ اور استغفار۔

چوتھے، اس سے اُمید کامل رکھنا کہ وہ ہاتھ پکڑ لے گا، جھاڑ پونچھ کر، اٹھا کر اپنی آغوش رحمت میں سمیٹ لے گا، راہ پر رکھے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے۔ وہ خود ہی تو پکارتا ہے کہ آؤ، مجھ سے اپنے گناہ بخشواؤ! ہے کوئی جو استغفار کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں!

دیکھو، کتنا آسان اور صاف سیدھا راستہ ہے! مشکلات اور اُلجھنیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم خود مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ ہم اپنے خود ساختہ طریقوں کو قرب حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جب خود اپنے معیارات پر پورے نہیں اُترتے تو ہم ہمت ہارنے لگتے ہیں، چلنا ناممکن نظر آنے لگتا ہے، زندگی بار بن جاتی ہے اور یاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو اس نے آسان بنایا تھا، اسے ہم مشکل بناتے ہیں۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ غلو اور تشدد میں نہ پڑیں، آپ تھک جائیں گی مگر اللہ نہ تھکے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھا رکھو، کوشش میں لگے رہو، بس اتنا ہی مطلوب ہے۔ اس پر سب موعود ہے۔ مسلمان ہونا تو بہت آسان ہے۔

قرب کی راہ میں مایوسی اور پست ہمتی تو کینسر کی طرح کے مرض ہیں، لیکن قابل علاج۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط (اہل ایمان اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں۔ البقرہ ۲:۲۱۸) اور وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یوسف ۱۲:۸۷)، اور وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○ (اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ الحجر ۱۵:۵۶)

قرب اور قرب کے راستے کے خود ساختہ تصورات کیا ہیں جو پتھر بن کر سدّ راہ ہو جاتے ہیں؟ قرب اس دنیا میں کسی کیفیت کا نام نہیں، کیفیت کی کوشش مطلوب ہے، خود کیفیت مطلوب نہیں۔ اس لیے کہ کیفیت آپ کے اختیار میں نہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی شے کو مطلوب قرار نہیں دیا جو انسان کے دائرۂ اختیار سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باہر ہو۔ کسی گناہ کا دوبارہ نہ ہونا بھی علامت قرب نہیں۔ اس طرح دوبارہ ہونا عدمِ استقامت اور ناراضی رب کی علامت نہیں ہے۔ جو صحیح راستے پر ہے، رخ صحیح ہے، کوشش میں لگا ہوا ہے، جو دن میں ہزار گناہ کرے لیکن ہر بار استغفار کی توفیق ملتی رہے، وہ قرب الٰہی کے راستے پر ہے۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ ایک دفعہ گرنے والا سنبھل سکتا ہے، ہزار بار گرنے والے کا سنبھلنا ناممکن ہے۔ اس غفور و رحیم کی شان میں یہ خیال کیسے کیا جاسکتا ہے، جو کہتا ہے کہ ''وہ تم کو مغفرت کی طرف پکارتا ہے، وہ سارے گناہ معاف کر دے گا، اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اگر آسمان تک اور زمین بھر گناہ لاؤ گے تو اس سے اونچی اور وسیع مغفرت تمھارے استقبال کے لیے تیار ہے!'' ایسا سمجھنا تو خدا کی لامحدود رحمت و مغفرت کو ہزار بار گرنے والے کے گرنے سے عاجز ہو جانا تصور کرنا ہے۔ کیا اس کی رحمت و مغفرت اتنی بھی وسیع نہیں کہ ایک ہی گناہ انسان ہزار بار کرے اور ہر بار اسے تکلیف ہو اور وہ پلٹ کر آئے اور وہ اسے اپنے اندر نہ سمیٹ سکتی ہو۔ آپ کم سے کم مشکوٰۃ میں توبہ اور استغفار کا باب ضرور دیکھ لیں اور قرآن مجید میں مغفرت کے عنوان پر جو آیات ہیں ان پر غور کریں۔

گرتے پڑتے چلنے سے کس انسان کو مفر ہوسکتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو گناہوں سے پاک زندگی مطلوب ہوتی تو فرشتے پہلے ہی موجود تھے۔ اس کو تو وہ مخلوق مطلوب تھی جو ظلم و جہل میں پڑسکتی ہو اور نہ پڑے، اور اگر پڑ جائے تو لوٹ آئے۔ اس کو بار بار آنے والے (اوّاب)، آہ آہ کرنے والے (اوّاہ)، لوٹنے والے (منیب) مطلوب ہیں۔ انھی سے جنت، رضا اور قرب کا وعدہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ تم گناہ نہ کرتے تو اللہ دوسری مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرنے کی استعداد رکھتی، گناہ کرتی، استغفار کرتی اور جنت کی مستحق بنتی۔ اگر گناہ گار اور منیب انسان نہ ہوتا تو جنت تو راہ تکتی رہ جاتی، خالی رہتی، اس لیے کہ وہ فرشتوں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

کوشش کے بارے میں آپ کو یہ بات بھی جاننا چاہیے کہ جس کو اللہ نے جہاں رکھ دیا ہے، جو کام سپرد کر دیا ہے، جو مواقع عنایت فرما دیے ہیں، انھی کو اخلاص و احسان کے ساتھ بجالاتے رہنا ہی جنت اور قرب کی راہ ہے۔ خود سے اپنے اوپر اعمال کا بوجھ لاد لینا، کسی خاص عمل پر نجات کو منحصر سمجھنا بھی صحیح نہیں۔ جنت اور قرب کا انحصار جب اعمال پر نہیں، بلکہ رحمت پر ہے جس کو اعمال متوجہ کرتے ہیں، تو شہادت جیسے کسی عمل کو نجات کے لیے کافی سمجھ لینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ کتنے غازی اور شہید ہیں جو عدم اخلاص کی وجہ سے، عدم صبر کی وجہ سے (جیسے یہ کہ مصائب سے تنگ آ کر خودکشی کر لی) جہنم میں چلے جائیں گے اور کتنے مجاہدین کی راہ میں آنکھیں بچھانے والے، صبح شام شہادت کی تمنا و دعا کرنے والے، مجاہدین کا سامان تیار کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے، تیر انداز کے لیے تیر بنانے والے اور ہاتھ میں تھمانے والے جنت میں چلے جائیں گے۔ اگر جنت میں جانے کے لیے افغانستان اور فلسطین کے محاذ ہی درکار ہوتے تو سب انسان کیسے جنت میں جا سکتے تھے۔ جو محاذ اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ کے سپرد کر رکھا ہے اسی پر جان لگا کر کام پورا کریں۔ یہی جنت کی راہ ہے۔ پتا نہیں محاذ جنگ پر کیا پیش آئے۔ اسی لیے ہمیں تو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ یہ آرزو کریں کہ حضورؐ کے زمانے میں ہوتے۔ اس طرح کی سوچ اللہ کے فیصلے پر عدم رضا ہے۔ اُس زمانے میں تو ابولہب اور عبداللہ بن ابی بھی تھے، پتا نہیں ہم کہاں ہوتے۔

اطمینان بھی فی نفسہٖ مطلوب نہیں، ایمان اور عمل مطلوب ہیں۔ اپنے کسی عمل پر یہ اطمینان کہ اب ہم جنت میں چلے جائیں گے، بہت مہلک ہے۔ جو مطلوب حالت ہے وہ تو یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ السجدہ ۳۲:۱۶) کی حالت ہے۔

اللہ جس راہ سے آپ کو جنت میں پہنچانا چاہتا ہے، اس سے غیر مطمئن ہو کر کوئی دوسری راہ کیوں تلاش کرتی ہیں؟ ہر معاملہ اس پر چھوڑنے میں اطمینان ہے۔ اس نے آپ پر اتنے خصوصی انعامات کیے ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا آپ کے بس میں نہیں۔ اس نے آپ کو اپنے قرب کی خواہش عطا کی ہے، یہ ایک ایسی بے بہا نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ اس نے آپ کو اپنے قرب کے راستے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، یہ خود کچھ کم قیمت نہیں، مگر اس نے تو آپ کو اس راہ پر قدم بڑھانے کی توفیق بھی عنایت کی ہے۔ یہی نہیں، بلکہ جب آپ سے خطا ہو جائے تو اس پر تکلیف اور ندامت اور واپس پلٹنے کی دولت بھی دی ہے اور سب سے بڑھ کر، جس کے آگے سب نادار، محتاج اور فقیر ہیں، اس کے آگے اعمال کے لحاظ سے اپنی کم مائیگی اور ناداری کا احساس بھی دیا ہے۔ ان سب باتوں کا آپ نے خود اقرار کیا ہے۔ آپ کو تو خوشی سے بھر جانا چاہیے، نہ یہ کہ بے چینی اور اضطراب، مایوسی اور کم حوصلگی کا شکار ہو جائیں۔ ایسی زندگی جس میں آپ بار بار اپنے محبوب کی طرف پلٹ کر آئیں بڑی لذیذ ہونا چاہیے، نہ یہ کہ آپ کے لیے یہ بار بن جائے۔ جو شکر کریں وہی مزید پاتے ہیں۔ یہ سب پا کر آپ زندگی سے فرار کا کیوں سوچیں۔ جب ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طریق نبوت عطا کر دیا ہے، تو طریق تصوف اور رہبانیت پر کیوں جائیں۔

اُمید ہے کہ میری یہ چند باتیں آپ کے لیے کچھ مفید ثابت ہوں گی۔ (خرم مراد، ۱۹۹۲ء)

گھر یا بیوی کی نوکری کی ترجیح

س: شادی سے قبل میری بیوی ہسپتال میں نرس تھی۔ نکاح کے وقت یہ بات طے پائی تھی کہ

© rasailojaraid.com